مغربی ہندوستان میں اسلامی روایات و روحانی اقدار کے نقیب

شیخ احمد کھٹو رحمہ اللہ تعالیٰ

محمد اسلم

استاد شعبۂ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی لاہور

ندوۃ المصنفین

۳۰۔آ۔۱۰ ○ لاہور

پروفیسر محمد اسلم

شیخ احمد کھٹو گنج بخش ؒ

حضرت شیخ احمد کھٹو گنج بخش کا شمار برصغیر پاک و ہند کے اُن اولیاء اللہ میں ہوتا ہے جنھوں نے ہماری مذہبی ، معاشرتی اور سیاسی تاریخ میں اپنی سیرت اور کردار کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں - یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ راجستھان ، گجرات اور کاٹھیا واڑ میں تبلیغ اسلام اور تعمیر ملت کے اہم فریضہ کو جس انہاک ، خلوص اور اہتمام سے شیخ موصوف نے انجام دیا ہے اس کی مثال برصغیر کی تاریخ میں خال خال ہی نظر آتی ہے -

شیخ احمد کھٹو کا پیدائشی نام نصیر الدین تھا[1] - اُن کے آبا و اجداد کے بارے میں تمام تذکرہ نگار خاموش ہیں - صرف اسی قدر تذکروں میں مرقوم ہے کہ ان کے اکابر کا شمار دہلی کے شرفا میں ہوتا تھا[2] - ان کے نام کے ساتھ ''ملک'' کا لقب یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے -

شیخ احمد دہلی میں ۷۳۸ھ/۱۳۳۶ء میں پیدا ہوئے[3] - شہنشاہ جہانگیر ، محمد اسحاق بھٹی اور حاجی دبیر نے ان کی جائے ولادت کھٹو لکھی ہے ، جو تاریخی ریکارڈ کی روشنی میں صحیح نہیں[4] - شیخ احمد دو سال کی عمر میں گلی میں کھیل رہے تھے کہ سخت آندھی چلی اور انھیں کشاں کشاں ایک ایسی جگہ ، جہاں ایک قافلہ ٹھہرا ہوا تھا ، اڑا لے گئی - اہل قافلہ نے انہیں لاوارث سمجھ کر اپنے ساتھ لے لیا اور انہیں راجستھان کے مشہور تاریخی قصبے ڈیڈوانہ لے گئے - وہاں نجیب نساج نامی ایک نیک دل انسان رہتا تھا ، اس نے انہیں قافلہ والوں سے لے لیا[5] -

محمد غوثی منڈوی لکھتا ہے کہ آپ بچپن میں دہلی کی ایک گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ سخت آندھی چلی اور وہ انہیں پتنگ کی طرح اڑا کر دہلی سے (۳۳۰ کلومیٹر کے فاصلے پر) کھٹو لے گئی[6]۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی رقمطراز ہیں کہ شیخ احمد بچپن میں ایک گاؤں میں گئے۔ وہاں گاؤں کے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ نہایت تیز آندھی آئی جو آن کو اڑا کر کسی دوسری جگہ لے گئی اور اس طرح یہ اپنے وطن سے بہت دور چلے گئے۔ جہاں بالکل بے یار و مددگار ہوگئے۔ پردیسیوں کی طرح ادھر آدھر گھومنے لگے۔ ایک روز کہیں جا رہے تھے کہ اتفاقاً ایک درویش کامل بابا اسحاق مغربی کا ادھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے ان کو لاوارث سمجھ کر اپنے ساتھ لیا اور اپنی قیام گاہ موضع کھٹو لے گئے[7]۔

جن دنوں آپ ڈیڈوانہ میں نجیب نساج کے ہاں مقیم تھے، انہی دنوں بابا اسحاق مغربی کا ایک دوست مولانا صدر الدین ڈیڈوانہ جانے لگا تو بابا جی نے اس سے کہا کہ اگر کوئی ذی شعور لڑکا مل جائے تو وہ اسے ان کے لیے حاصل کرلے۔ جب صدر الدین ڈیڈوانہ پہنچا تو اسے اطلاع ملی کہ انہی دنوں ایک بچہ نجیب نساج کے ہاتھ لگا ہے۔ وہ فوراً اس کے پاس پہنچا اور انہیں بابا اسحاق مغربی کے لیے مانگ لایا[8]۔ مؤرخ شہیر کمساریٹ کا یہ کہنا درست نہیں کہ ان کا تعلق بابا اسحاق کے ساتھ تیس سال کی عمر میں قائم ہوا[9]۔

بابا اسحاق مغربی لعل پوش کا شمار برصغیر کے نامور اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ موصوف شیخ محمد مغربی کے مرید اور خلیفہ تھے اور انہی کے طفیل برصغیر میں تصوف کے مغربی سلسلہ کا رواج ہوا۔ موصوف سلطان فیروز تغلق کے عہد میں برصغیر میں وارد ہوئے اور اجمیر کو اپنا مستقر قرار دیا۔ ان کے تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ خواجہ معین الدین اجمیری نے انہیں عالم رویا میں کھٹو میں قیام کرنے کا مشورہ دیا۔ سلطان فیروز تغلق ان کا بڑا نیاز مند تھا۔ بابا اسحاق کے ساتھ سلطان کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے شیخ احمد فرماتے ہیں :

سلطان فیروز شاہ بخدمت بندگی بابو جیو اعتقاد بسیار داشت ہمیشہ گفتہ میفر ستادند کہ در وقت نیک مارا بیاد می آوردہ باشد[10] ۔	سلطان فیروز شاہ بابو جی سے بڑی عقیدت رکھتا تھا اور انھیں اکثر یہ پیغام بھیجا کرتا تھا کہ اپنے خاص وقت میں مجھے بھی یاد رکھیں ۔

ایک بار جمعہ کے دن سلطان نے یہ فرمان بھیجا کہ بابا اسحاق اس کے لیے ضرور دعا کریں ۔ جب بابا صاحب نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے جامع مسجد میں پہنچے تو خطیب نے شاہی فرمان پڑھ کر سنایا ۔ شیخ احمد فرماتے ہیں کہ بابا جی کا رنگ متغیر ہوگیا اور ان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ۔ بابا جی اپنے نفس سے کہنے لگے کہ اس قدر افزائی پر کہیں مغرور نہ ہو جانا[11] ۔

بابا اسحاق تمام عمر مجرد رہے اور خدا نے انھیں زن و فرزند کے جنجال سے آزاد رکھا ۔ عمر کے آخری حصے میں شیخ احمد ان کے ہاتھ لگے تو انھوں نے فرزند کی طرح ان کی پرورش اور تربیت کی ۔ شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ بچپن میں بابا صاحب انھیں اپنے سینے پر لٹاتے اور اگر انھیں لمحہ بھر کے لیے اپنے سینے سے اٹھا کر پہلو میں لٹاتے تو یہ بیدار ہو جاتے ۔ اس لیے بابا جی انھیں دوبارہ سینے پر لٹا لیتے ۔ سردیوں کی طویل راتوں میں یہ سوتے میں پیشاب کر دیتے تو بابا فوراً اپنے کپڑے دھو ڈالتے اور مطلق خفا نہ ہوتے[12] ۔ اس طرح بابا جی نے انھیں پالا پوسا ۔

شیخ احمد فرماتے ہیں کہ ان کے بچپن میں بابا جی نے انھیں دودھ پلانے کے لیے ایک بکری خریدی ۔ انھوں نے اس کا نام پتلی رکھا ۔ اسی کے دودھ پر ان کی پرورش ہوئی ۔ جب وہ سات برس کے ہوئے تو ایک روز بابا اسحاق کے ایک پرانے دوست عبداللہ کتابوں سے لدھا ہوا ایک اونٹ لے کر بابا جی سے ملنے آئے ۔ اتفاق سے اس روز ان کی مہمانی کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا ۔ بابا جی نے ان سے کہا کہ اگر وہ اپنی پتلی ان کے حوالے کر دیں تو اسے ذبح کرکے ان کی ضیافت کر دیں ۔ **شیخ احمد نے عرض کیا :**

وجود گوسفند چہ خواہد بود
اگر مرا ذبح کنید راضی ام ، چون
این سخن از من شنیدند سرمرا
بوسیدند و درکنار گرفتند[13] ۔

بکری کی بھلا کیا حیثیت ہے
اگر مجھے ذبح کریں تو میں راضی
ہوں ۔ جب انھوں نے میری بات
سنی تو میرے سر پر بوسہ دیا اور
مجھے آغوش میں لے لیا ۔

جب کھانا پک کر تیار ہوا اور دونوں بزرگ دسترخوان پر بیٹھے تو مہمان نے بابا جی سے کہا کہ بچے کو بھی بلا لیجیے ۔ بابا جی نے شیخ احمد کو طلب کر کے اپنے ساتھ دستر خوان پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو انھوں نے آہستہ سے ان کے کان میں کہا کہ انھوں نے اس بکری کا دودھ پیا ہے ، اب اس کا گوشت کیسے کھائیں ۔ یہ کہہ کر ان کے پاس سے اٹھے اور گلی میں جا کر بچوں کے ساتھ کھیلنے لگے[14]۔

جب یہ دونوں بزرگ کھانے سے فارغ ہوئے تو بابا جی نے انھیں دوبارہ طلب کیا اور عبداللہ سے کہنے لگے کہ ان سے سوال کریں ۔ شیخ احمد فرماتے ہیں کہ جب انھوں نے ان سے سوال کیا تو انھیں ایسا محسوس ہوا کہ بابا جی کی توجہ سے ان پر الہام ہوا ہے ۔ انھوں نے جواب دیا تو عبداللہ نے انھیں پیار سے گود میں اٹھا لیا ۔ پھر یہ بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے جتنی بار ان کے سامنے سے گزرے اتنی بار عبداللہ احتراماً کھڑے ہو جاتے ۔ بابا جی نے اپنے مہمان سے کہا کہ وہ اطمینان سے تشریف رکھیں ، بچہ تو کھیل میں مشغول ہے ۔ عبداللہ نے کہا :

این بچہ نیست بزرگواریست
کہ گلبانگ این بزرگوار در اطراف
عالم خواہد رسید[15] ۔

یہ بچہ نہیں ، یہ تو بزرگ
ہے ۔ اس بزرگ کا شہرہ اطراف
عالم میں پھیل جائے گا ۔

جب شیخ احمد تیرہ برس کے ہوئے تو بابا جی انھیں کھٹو سے دہلی لے گئے ۔ اتفاق سے ایک روز ان کے بھائی نے انھیں پہچان کر بابا جی سے کہا :

این برادر من ملک نصیرالدین
است کہ دران بادسیاہ گم شدہ بود[16]۔

یہ میرا بھائی ملک نصیرالدین
ہے جو اس سیاہ آندھی میں گم ہو گیا
تھا ۔

شیخ احمد کے والدین ابھی حیات تھے ۔ انھوں نے بڑا اصرار کیا لیکن یہ بابا اسحاق سے جدا ہونے پر رضامند نہ ہوئے[17] ۔

دہلی اس زمانے میں علم و ادب کا بڑا مرکز تھا ۔ فیروز شاہ کے عہد میں قاضی محمد ساوی، قاضی عبدالمقتدر شریحی، مولانا احمد تھانیسری، سید جلال الدین کرمانی اور علامہ کمال الدین کے علم و فضل کا دور دور تک شہرہ تھا ۔ شیخ احمد کے سوانح نگاروں نے ان کے اساتذہ کا تذکرہ نہیں کیا ۔ لیکن ان کے علم و فضل کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا غلط نہیں کہ انھوں نے دہلی میں قیام کے دوران میں وہاں کے علماء سے خوب استفادہ کیا ہوگا ۔

شیخ احمد کھٹو فرماتے ہیں کہ بابا جی انھیں ساتھ لے کر دہلی پہنچے تو انھوں نے ایسی جگہ قیام کیا جہاں مخدوم جہانیاں سید جلال الدین جہانگشت ٹھہرے ہوئے تھے ۔ سلطان فیروز تغلق اور خوانین و ملوک مخدوم صاحب کی خدمت میں آتے اور لوگ بکثرت ان کے ہاتھ پر بیعت کرتے ۔ ایک روز بابا اسحاق نے شیخ احمد سے کہا ، ”بابا احمد ! تم بھی ان کے مرید ہو جاؤ کیونکہ سلطان اور امراء ان کے پاس آتے ہیں ۔ تمھارا بابو تو مسکین صورت درویش ہے ۔“
شیخ احمد نے جواب دیا :

بابو جیو سلامت بجای مادر و پدر شما اید و پیرہم شمائید ۔ بعد کرم اللہ تعالیٰ در دین و عقبیٰ پناہ شما است[18] ۔

بابو جی آپ سلامت رہیں ۔ آپ ہی میرے ماں اور باپ ہیں ۔ آپ پیر بھی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے کرم کے بعد آپ ہی دین و عقبیٰ میں میری پناہ ہیں ۔

ان کا جواب سن کر بابا جی نے کہا کہ وہ تو انھیں آزما رہے تھے ۔ اب انھیں یقین ہوگیا ہے کہ ان کا دنیا کی طرف میلان نہیں ہے ۔ اس کے بعد بابا جی نے انھیں اپنی آغوش میں لے کر کمال شفقت کے ساتھ ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے فرمایا :

بابا احمد بدربار شما بادشاہان باعتقاد و صدق تمام خواہند آمد و استمداد دعا خواہند طلبید ۔ بابا احمد ما ولایت و کرامت خود پوشیدہ داشتیم و از خدای تعالیٰ خواستیم کہ ولایت و کرامت بابا احمد در حیوۃ و بعد ممات در اکناف و اطراف عالم ظاہر گردد[19] ۔

بابا احمد تمھارے دربار میں بادشاہ بڑے اعتقاد اور صدق کے ساتھ آیا کریں گے اور تجھ سے دعا کے خواستگار ہوں گے ۔ بابا احمد ہم نے اپنی ولایت اور کرامت کو پوشیدہ رکھا ہے اور اب خدا سے یہ چاہتے ہیں کہ بابا احمد کی ولایت اور کرامت اس کی زندگی میں اور اس کے مرنے کے بعد دنیا کے اطراف و اکناف میں پھیل جائے ۔

جس زمانے میں شیخ احمد مسجد خانجہان میں مقیم تھے ، مخدوم جہانیاں ان کے ورع و تقویٰ کی تعریف سن کر ان سے ملنے آئے ۔ جب انھیں مخدوم صاحب کی آمد کی خبر ملی تو ان کے استقبال کے لیے بڑھے ۔ مخدوم صاحب نے پالکی سے اترتے ہی انھیں اپنی آغوش میں لے لیا اور دیر تک ان کے سینہ کے ساتھ اپنا سینہ ملتے رہے ۔ اس دوران میں انھوں نے تین بار فرمایا :

اے جوان از تو بوی دوست می آید ، مارا در وقت خوش بیاد بیارید ، فراموش مکنید[20] ۔

اے نوجوان تجھ سے دوست کی خوشبو آتی ہے ۔ اچھے وقت میں ہمیں یاد رکھنا اور فراموش نہ کر دینا ۔

بابا اسحاق اور شیخ احمد کھٹو کتنا عرصہ دہلی میں رہے ۔ اس کا ذکر کسی تذکرہ نگار نے نہیں کیا ۔ تاہم عبداللہ خویشگی کی ایک روایت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ جب شیخ احمد کی عمر بیس برس کے لگ بھگ تھی تو وہ دہلی سے کھٹو منتقل ہو چکے تھے[21] ۔

شیخ احمد نوجوانی کے ایام میں ایک روز بابا اسحاق سے اجازت لے کر بغرض سیر و تفریح ڈیڈوانہ روانہ ہوئے[22] ۔ اتفاق سے اسی روز بابا جی کو بخار آ گیا اور انھوں نے ان کو بلانے کے لیے کسی شخص

کو بھیجا - جب انھیں بابا جی کی علالت کی خبر ملی تو فوراً کھاٹو پہنچے - اس وقت کھاٹو کا مقطع بابا جی کے پاس بیٹھا تھا - اس نے انھیں دیکھتے ہی کہا ''میر احمد شہارا سی طلبند -'' بابا جی نے اس سے کہا :

امیر مگو ما میخوانیم کہ ایشان را پیر کنیم و کلاہ بانگشت مبارک انداختہ میگردانند و دعا میخوانند و فرمودند کہ بابا احمد بیائد و کلاہ بپوشید[23] -

اسے امیر مت کہو ، ہم چاہتے ہیں کہ اسے پیر بنائیں - انھوں نے ایک ٹوپی اپنی انگلیوں میں لے کر گھماتے ہوئے دعا کی اور فرمانے لگے بابا احمد آؤ اور ٹوپی پہنو -

شیخ موصوف نے کہا کہ وہ ان کی ٹوپی کس طرح پہنیں ؟ بابا جی نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا : ''بابا احمد ہر روز چالیس آدمی تمھارے دسترخوان پر کھانا کھائیں گے - ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو سکتی ہے ، کم نہیں ہوگی - اگر کبھی چالیس سے کم ہو جائیں تو بیشک میری ہڈیاں قبر سے اکھاڑ پھینکنا - بادشاہ تمھارے دروازے پر آ کر تم سے دعا کے طالب ہوں گے[24] - بابا جی نے اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر ٹوپی رکھی - اس عطائے نعمت کے وقت ان کی عمر بیس سال تھی[25] - بابا جی کے اصرار پر شیخ احمد نے یہ دو بیت انھیں سنائے :

خدای جہان دار جان آفرین
حکیم سخن بر زبان آفرین

خداوند بخشندہ و دستگیر
کریم خطا بخش پوشش پذیر[26]

چند لمحے بعد بابا اسحاق یاحی یا قیوم کہتے ہوئے اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے -

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے بابا اسحاق کا سال ولادت ۱۸۰۱ھ اور سن وفات ۹۸۹ھ تحریر کیا ہے[27] - انھوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ ان

کے مرید شیخ احمد کھٹو ۱۱۱ سال کی عمر پاکر ۸۴۹ھ میں فوت ہوئے تھے ۔ اس حساب سے مرشد اپنے مرید کی وفات کے دو سال بعد پیدا ہوئے ۔ حیرت ہے مولانا محمد اسحاق بھٹی جیسے فاضل سے اس طرح کا سہو کیسے ہوگیا ۔

بابا اسحاق مغربی کا مزار موضع کھاٹو میں زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی ۱۹۴۱ء میں شاعر رومان اختر شیرانی کی معیت میں اس کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں ۔ ان کا بیان ہے کہ بابا جی کی قبر ایک چبوترے پر واقع ہے اور اس پر کوئی گنبد یا چھت نہیں ہے ، حتیٰ کہ کوئی کتبہ بھی نصب نہیں ۔ وہاں زائرین کے قیام کے لیے چند حجرے موجود ہیں جہاں عرس کے موقع پر مسافر ٹھہرتے ہیں ۔ البتہ وہاں کا ماحول پر عظمت ہے [28]۔

بابا اسحاق مغربی کے علاوہ مخدوم جہانیاں کے ایک خلیفہ شیخ تاج الدین سے بھی شیخ احمد کھٹوکو فیض ملا تھا ۔ جامع ملفوظات محمود بن سعد بن صدر ایر جی تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ تاج الدین نے حضرت شیخ احمدکو سات سال کے لیے ترک لحم کا حکم دیا تھا ۔ ایک روز انھوں نے حجام کو بلا کر ان کا سر حلق کروایا ۔ شیخ احمد فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کو محلوق کرواتا ہے ، وہ فیض بھی دیتا ہے[29]۔

بابا اسحاق مغربی کی وفات کے بعد شیخ احمد کی طبیعت کھاٹو سے اچاٹ ہوگئی اور انھوں نے سیاحت اختیار کی ۔ محمود بن سعد بن صدر ایر جی نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے : ''این درویش دوازدہ سال پای برہنہ بی رفیق و بی طریق سفر کردہ است ۔'' بارہ سال کی صحرا نوردی کے بعد انھوں نے دہلی میں سکونت اختیار کی ۔ بابا اسحاق مغربی کے منہ بولے فرزند اور خلیفہ ہونے کی وجہ سے خواص و عوام ان کے معتقد ہوگئے ۔ سلطان فیروز تغلق کے ساتھ بھی ان کے روابط اسی دوران میں قائم ہوئے تھے ۔

دہلی سے آپ حج بیت اللہ کے لیے گجرات روانہ ہوئے اس زمانے میں راستي خان گجرات کا صوبہ دار تھا ۔ عین ممکن ہے کہ اس نے زاد راہ

بھی فراہم کیا ہو - شیخ موصوف کھنبائت سے جہاز میں سوار ہوئے[30] - ایک روز آپ جہاز کے کنارے بیٹھے وضو کر رہے تھے کہ اچانک ان کا پاؤں پھسلا اور آپ سمندر میں گر گئے - شیخ احمد فرماتے ہیں کہ انھوں نے یا حافظ یا حفیظ یا رقیب یا وکیل کا ورد شروع کیا اور تیر کی مسافت تک —آب بازی— کرتے رہے - اسی دوران میں ان کا پاؤں ایک پتھر پر پڑا اور موصوف اس پر چڑھ گئے[31] - اتفاقاً ناخدا کی ان پر نظر پڑ گئی اور اس نے انھیں جہاز پر لانے کے لیے کئی ملاح روانہ کیے - ناخدا ان کی کرامت دیکھ کر ان کا معتقد ہوگیا -

حج بیت اللہ کے بعد شیخ احمد مدینہ منورہ روانہ ہوئے - اس مبارک سفر میں خان جہان دہلوی اور شیخ تاج الدین سرکھیجی ان کے ہمراہ تھے - شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ جب قافلہ والوں کو گنبد خضریٰ نظر آنے لگا تو وہ سواریوں سے اتر کر احتراماً پیدل چلنے لگے - آپ بھی یا رسول اللہ یا حبیب اللہ کہتے ہوئے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے - موصوف فرماتے ہیں کہ جب وہ اور ان کے ساتھی روضۂ مقدسہ پر حاضری دے کر مسجد نبوی میں بیٹھے تو اُن کے ساتھیوں نے ان سے بھوک کی شکایت کی - انھوں نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ خاطر جمع رکھیں ، وہ مدینہ طیبہ میں حضور نبی علیہ الصلواۃ و السلام کے مہمان ہیں - نماز عشاء کے بعد ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور آواز دے کر پوچھنے لگا کہ حضورؐ کے مہمان کہاں ہیں ؟ انھوں نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا اور اس نے ان کے سامنے کھجوروں کا تھال رکھتے ہوئے کہا کہ یہ آنحضرتؐ نے ان کے لیے بھیجا ہے[32] -

حج سے واپسی پر شیخ احمد ٹھٹھہ کے مقام پر جہاز سے اترے اور سندھ میں سفر کرتے ہوئے اُوچ شریف پہنچے - وہاں ان کی ملاقات مخدوم جہانیاں کے بھائی اور سجادہ نشین شیخ صدرالدین راجو قتال سے ہوئی - مخدوم جہانیاں کا ۱۳۸۴ء میں انتقال ہو چکا تھا ، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ احمد اس سن کے بعد ہی سفر حج سے واپس لوٹے ہوں گے - اس حساب سے اس وقت ان کی عمر ۴۸ برس سے متجاوز تھی - جس وقت موصوف شیخ صدرالدین راجو قتال سے ملنے گئے تو اس وقت وہ

چھت پر کھڑے تھے - انھوں نے خادم کے ذریعے انھیں اپنے پاس بلا لیا - شیخ صدرالدین نے اپنے مہمان کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا : ''شیخ احمد مرتبہ شما عنداللہ بسیار است[33]'' - اوچ شریف سے موصوف دہلی تشریف لے گئے اور امیر تیمور کے حملہ (۱۳۹۸ء) تک وہیں رہے[34] -

جس زمانے میں شیخ احمد دہلی میں مقیم تھے ، ان دنوں حضرت نور قطب عالم (المتوفی ۱۴۱۰ء) کا ایک مرید دہلی اور پنڈوہ کے درمیان تجارتی سامان لے جایا کرتا تھا - ایک بار جب وہ پنڈوہ گیا تو حضرت نور قطب عالم نے اس سے پوچھا کہ وہ دہلی میں کس کس بزرگ سے ملا ہے ؟ اس نے کئی بزرگوں کے نام لیے لیکن ان میں شیخ احمد کا نام نہ تھا- حضرت نور قطب عالم نے دریافت فرمایا کہ کیا وہ شیخ احمد سے بھی ملا ہے ؟ تاجر نے جواب میں سکوت اختیار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ اگر وہ ان سے نہیں ملا تو اس کا دہلی جانا ہی فضول ٹھہرا[35] - اگلی بار جب وہ بسلسلۂ تجارت دہلی آیا تو خاص طور پر شیخ احمد کھٹو سے ملنے گیا - عندالملاقات اس نے تین سیر نبات اور نافۂ مشک شیخ موصوف کی خدمت میں پیش کیا[36] -

دہلی میں حضرت کا قیام حسب سابق مسجد خان جہان میں تھا- موصوف مجاہدہ کرتے کرتے مشتِ استخوان ہو کر رہ گئے تھے - جس روز پنڈوہ کا تاجر شیخ موصوف کی زیارت سے مشرف ہوا ، اس سے اگلے روز سلطان فیروز شاہ تغلق علمائے دہلی کی معیت میں شیخ احمد کی زیارت کو آیا - آپ اس وقت اتنے کمزور تھے کہ کھڑے ہو کر سلطان کا استقبال بھی نہ کر سکے اور آپ نے بیٹھے بیٹھے وہ نافہ سلطان کے ہاتھ میں تھما دیا - جب سلطان ان سے رخصت ہو کر مسجد سے باہر نکلا تو علماء نے اس سے کہا کہ شیخ نے اس کی کماحقہ تعظیم نہیں کی - حالانکہ قرآن مجید میں اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کا حکم آیا ہے - سلطان نے ان سے کہا کہ یہ بات انھوں نے ان کے سامنے کیوں نہ کہی ؟ سلطان نے روانہ ہوتے وقت علماء سے کہا کہ وہ مسجد میں شیخ احمد کھٹو کی زیارت کریں - جب وہ ان کی خدمت میں پہنچے تو حضرت نے وہ نبات ان میں تقسیم کر دی اور علماء انھیں سلام کر کے چلے آئے -

سلطان نے ان سے پوچھا کہ انھوں نے شیخ سے کیا گفتگو کی ہے ؟ انھوں نے جواب دیا کہ وہ اُن کے سامنے گنگ ہو کر رہ گئے تھے ۔ سلطان نے کہا کہ یہ علماء کے بس کی بات نہ تھی ۔ اس نے انھیں مخاطب کر کے شیخ کے بارے میں کہا :

''کرامت و عظمت ایشان را من بسیار دیدہ ام سالہا ست کہ بایشان اعتقاد تمام دارم ۔ درانوقت کہ بیرون دہلی بودم کس فرستادہ عرضہ داشت میکردم کہ حضرت مخدوم از صلحاء و اتقیاء اللہ بوقت نیک خود این مسکین را بدعا یاد میفرمودہ باشند ۔ ایشان ہمہ وقت میفرمودند کہ شما پادشاہ دہلی خواہید شد ۔ بکرم اللہ تعالیٰ و برکت انفاس خوشبوی ایشان بادشاہ دہلی شدم و تاغایت ہم در پناہ ایشانم[37]'' ۔

''میں نے ان کی کرامات اور عظمت بہت ملاحظہ کی ہے ۔ میں برسوں سے ان کا معتقد ہوں ۔ جن دنوں میں دہلی سے باہر تھا کسی قاصد کے ذریعے ان کی خدمت میں عرض کیا کرتا تھا کہ مخدوم صاحب نیک اور متقی بزرگ ہیں ۔ کسی اچھے وقت میں اس مسکین کو بھی دعا میں یاد کر لیا کریں ۔ شیخ صاحب ہمیشہ یہی فرمایا کرتے تھے کہ تم دہلی کے بادشاہ ہو جاؤ گے ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور شیخ کے انفاس مقدسہ کی برکت سے میں دہلی کا بادشاہ بن گیا اور اسی وقت سے ان کی پناہ میں ہوں ۔''

بعد ازاں سلطان نے اپنے حاجب کے ذریعے پھولوں کا ایک ڈونہ[38] شیخ موصوف کی خدمت میں بھیج کر دعا کی درخواست کی ۔ شیخ نے فرمایا کہ ''سلطان اسلام'' کے لیے دعا مسلمانوں پر واجب ہے ۔ وہ اس کے لیے دعا کرتے ہیں[39] ۔

جامع ملفوظات محمود بن سعد بن صدر ایرجی رقمطراز ہیں کہ سلطان کا داماد صدرالدین میرٹھی شیخ احمد کھٹو کا بڑا معتقد تھا اور جب کبھی وہ ان سے ملنے آتا تو ایک کوس سے پیادہ ہو جاتا ۔ تیمور کے حملہ سے قبل جب وہ ان سے ملنے آیا تو شیخ موصوف نے اس سے فرمایا

کہ دہلی پر آفت آنے والی ہے - لہذا وہ اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر جونپور چلا جائے - اس نے عرض کیا کہ ان حالات میں حضرت کیا کریں گے ؟ انھوں نے فرمایا کہ وہ اس مصیبت کے وقت اہالیان دہلی کی رفاقت کریں گے -

صدرالدین کی دہلی سے روانگی کے پندرہ روز بعد تیمور دہلی پہنچ گیا[40] - اس کے سپاہیوں نے ہزاروں بے گناہ شہریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور ہزاروں انسانوں کو گرفتار کر لیا - گرفتار ہونے والوں میں شیخ احمد بھی تھے - تیمور نے چالیس چالیس قیدیوں کی ٹولیاں بنائیں اور ان پر نگران مقرر کیے -

تیمور دہلی آتے وقت راستے میں تمام فصلیں تباہ کر آیا تھا - اس لیے دہلی اور پنجاب میں شدید قسم کا قحط رونما ہوا اور قیدی مرنے لگے - شیخ احمد فرماتے ہیں کہ ایک روز تیمور کا ایک نوجوان رشتہ دار قیدیوں کا معائنہ کرنے آیا تو اس نے ہر ٹولی میں سے دس سے پندرہ تک قیدی کم پائے - جب وہ شیخ موصوف کی ٹولی کے پاس آیا تو اس نے دیکھا کہ نہ صرف قیدیوں کی تعداد پوری ہے بلکہ وہ سب کے سب صحتمند اور توانا ہیں - اس نے قیدیوں سے استفسار کیا کہ انھیں کھانا کہاں سے ملتا ہے ؟ انھوں نے اسے بتایا کہ رات کے وقت حضرت انھیں تازہ اور گرم نان کھانے کو دیتے ہیں - حضرت کی یہ کرامت دیکھ کر وہ ان کے قدموں میں گرا اور تیمور سے ان کا ذکر کیا - تیمور نے حکم دیا کہ شیخ کو گھوڑے پر سوار کر کے بڑے احترام کے ساتھ اس کے پاس لائیں - جب انھیں تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے ان سے پوچھا ”کیا موصوف ہی وہ بزرگ ہیں جو ہر رات چالیس آدمیوں کو نان دیتے ہیں ؟“[41] انھوں نے فرمایا کہ ان کی بھلا کیا ہستی ہے - اللہ تعالیٰ رازق ہے - اُن کا رزق انھیں پہنچا دیتا ہے - تیمور نے ان سے پوچھا کہ وہ صاحب کرامت ہیں تو اس کی آمد سے قبل دہلی سے نقل مکانی کیوں نہ کر گئے ؟ انھوں نے فرمایا کہ انھیں پندرہ روز قبل پتہ چل گیا تھا کہ دہلی پر آفت آنے والی ہے اور انھوں نے صدرالدین میرٹھی کو مع اہل و عیال جونپور بھیج دیا تھا اور موصوف خود اہالیان

دہلی کی رفاقت کے لیے شہر میں رک گئے تھے - مزید براں شہر میں ان کے کافی مرید اور معتقد تھے انہیں اس حالت میں تنہا چھوڑنا مروت کے خلاف تھا -

تیمور ان کا جواب سن کر خوش ہوا اور ان کی تکریم کی - اس نے ایک گھوڑا اور چند بکریاں ان کی نذر کیں اور ان کے ساتھیوں کو رہا کر دیا - تیمور نے حکم صادر کیا کہ شیخ احمد جس شخص کو رہا کرانا چاہیں اُسے فوراً رہا کر دیا جائے - حضرت نے تمام قیدیوں کو تیمور کے چنگل سے رہائی دلوائی - جامع ملفوظات لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ بیان کر کے حضرت رونے لگے اور انھوں نے روتے ہوئے فرمایا کہ خدا کا شکر کیونکر ادا ہو سکتا ہے[42]-

ہمارے مؤرخین نے دور حاضر میں عہد سلاطین کی تاریخ لکھتے وقت شیخ احمد کھٹو کے اس عظیم کارنامے کا ذکر نہیں کیا - شیخ موصوف کی دوسری خدمات سے قطع نظر ہزاروں قیدیوں کی رہائی ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے جسے تاریخ کے صفحات میں مناسب جگہ ملنی چاہیے -

مؤرخ گجرات کمساریٹ لکھتا ہے کہ شیخ احمد کھٹو کی سفارش پر امیر تیمور نے دہلی میں قتل عام بند کیا اور ان کی سفارش پر قیدیوں کو رہائی ملی[43] - عبدالقادر بدایونی نے قیدیوں کو رہائی دلوانے کا واقعہ تحریر کیا ہے لیکن ان کی سفارش پر قتل عام بند کرنے کا ذکر نہیں کیا[44]- کمساریٹ کے مقابلے میں بدایونی کا بیان زیادہ وزنی ہے کیونکہ دہلی میں قتل عام کے وقت تیمور شیخ احمد کے مقام اور مرتبے سے واقف نہیں تھا - قتل عام بند ہونے کے بعد دوسرے لوگوں کے ساتھ شیخ موصوف بھی پکڑے گئے اور جب ان کی تیمور کے ساتھ ملاقات ہوئی تو اُسے ان کے مقام اور مرتبے کا علم ہوا اور ان کی سفارش پر قیدیوں کو رہا کرنے کا حکم صادر کیا - اس لیے ان کی سفارش پر قتل عام بند کرنے والی روائت کی کوئی حقیقت نہیں -

محمود بن سعد بن صدر ایرجی تحریر فرماتے ہیں کہ امیر تیمور کا وزیر سیف الملوک المعروف بہ سیفل شیخ احمد کا مرید ہوگیا اور انھیں

اپنی قیام گاہ پر لے گیا ۔ اس موقعہ پر ایک گھوڑا بھی ان کی نذر کیا ۔

شیخ احمد اور دوسرے قیدیوں کو رہائی مل چکی تھی ، اس کے باوجود جب تیمور نے دہلی سے کوچ کیاتو حضرت نے بھی سمرقند جانے کا فیصلہ کیا اور لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے ۔ اثنائے سفر میں ایک روز تیمور کے حرم کی ایک برقع پوش خاتون گھوڑا دوڑاتی ہوئی ان کے قریب آ کر ان سے کہنے لگی :

عنان مرکب خود را بگردان
کہ من تابِ جمال تو ندارم

اتنے میں حرم کی دوسری خواتین بھی ان کے قریب پہنچ گئیں اور انھوں نے شیخ سے گفتگو شروع کی ۔ آپ فرماتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ فصیح فارسی میں بات چیت کرتی تھیں ۔ وہ بھی ان کی گفتگو سے متاثر ہوئیں اور انھوں نے اقرار کیا کہ شیخ بہت فصیح و بلیغ زبان استعمال فرماتے ہیں ۔ عورتوں نے ان سے کہا کہ اگلی منزل پر جب لشکر پڑاؤ ڈالے تو وہ ان کے قریب ہی ٹھہریں ۔ انھوں نے معذرت کے انداز میں کہا کہ سیف الملوک نے انھیں اپنے پاس قیام کرنے کو کہا تھا اس لیے وہ مجبور ہیں ۔

چند روز بعد ان کی خواہش پر سیف الملوک انھیں تیمور کے پاس لے گیا ۔ شیخ احمد فرماتے ہیں کہ جب وہ تیمور کے پاس پہنچے تو اس وقت پانچ صد نوجوان ترک گرزیں سنبھالے اس کے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ امیر اس وقت ایک چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا اور شیخ عبدالاول نبیرۂ برہان الدین مرغینانی صاحبِ ہدایہ بھی اسی چبوترے پر تشریف فرما تھے۔ تیمور نے شیخ احمد کی بڑی عزت کی اور انھیں اپنے پاس بٹھایا ۔ تیمور کی فرمائش پر شیخ عبدالاول نے ان سے کئی علمی سوالات کیے جن کے انھوں نے مناسب جواب دیے ۔ کچھ دیر بعد تیمور نے کھانا طلب کیا اور شیخ عبدالاول نے انھیں اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا ۔ تیمور بار بار ان سے کہتا کہ اطمینان کے ساتھ کھانا تناول فرمائیے اور خوب سیر ہو کر کھائیے ۔

شیخ احمد فرماتے ہیں کہ تیمور نے خود اپنے ہاتھ سے یخنی کا ایک پیالہ ان کے سامنے رکھا اور اس کے علاوہ آش کا ایک پیالہ بھی آگے بڑھایا ۔ تیمور نے خود ایک چمچہ ان کی خدمت میں پیش کیا ۔ جامع ملفوظات لکھتے ہیں کہ شیخ یخنی نوش فرماتے ہوئے چمچے کا جو حصہ پیالے میں ڈالتے اسے اپنے لب سے نہ لگاتے اور جو حصہ ان کے لبوں سے مس ہوتا اسے پیالے میں نہ ڈالتے[45]۔ تیمور نے انہیں اس طرح یخنی نوش کرتے دیکھا تو بہت خوش ہوا اور شیخ عبدالاول سے کہنے لگا ''شیخ نہایت حسن ادب را دارند[46]'' شیخ عبدالاول نے امیر سے کہا کہ ان کے خیال میں ان جیسا درویش اس علاقے میں پہلے نہیں گزرا ۔ جب دونوں بزرگ کھانے سے فارغ ہوئے تو تیمور مجلس سے اٹھ کر اپنے حرم میں چلا گیا اور شیخ موصوف عبدالاول سے اجازت لے کر اپنی قیام گاہ پر واپس چلے گئے ۔ سیف الملوک نے ان سے کہا کہ عبدالاول اور اس مجلس کے حاضرین ان کے معتقد ہوگئے ہیں ۔ انہوں نے ان کی کرامت ملاحظہ کی ہے ۔ جب موصوف تیمور کے پاس پہنچے تو اس کے سامنے دو ترک نوجوان گرزیں تھامے کھڑے تھے ۔ انہوں نے ان کے بازو پکڑ کر اپنے راستے سے ہٹایا تو وہ ان کی ہیبت سے کانپنے لگے تھے[47]۔

تحفۃ المجالس اور ''ملفوظات شیخ احمد مغربی'' سے شیخ احمد کا سمرقند جانا ثابت ہے ۔ سمرقند میں قیام کے دوران میں کئی بار علمائے ماوراء النہر کے ساتھ ان کی علمی موضوعات پر گفتگو ہوئی ۔ علماء نے متعدد بار ان سے کہا کہ وہ درویشانہ لباس کیوں پہنتے ہیں ؟ انہیں چاہیے کہ عالموں جیسی وضع قطع اختیار کریں[48]۔

شیخ احمد کے ملفوظات اور تذکروں سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ سمرقند میں ان کا قیام کتنی مدت رہا ۔ جب آپ سمرقند سے واپس لوٹے تو دہلی اجڑ چکی تھی اور تیمور کے حملے میں جو اہل فضل و کمال زندہ بچ گئے تھے وہ بھی دہلی سے جونپور یا گجرات کی طرف چلے گئے تھے ۔ شیخ موصوف نے بھی ان بدلے ہوئے حالات میں دہلی میں رہنا مناسب نہ جانا اور آپ گجرات چلے گئے ۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی

رقم طراز ہیں کہ موصوف رہائی کے بعد حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے ، یہ صحیح نہیں ہے[49]۔ شیخ موصوف فریضہ حج ۱۳۸۴ء کے لگ بھگ ادا کر چکے تھے ۔

اس زمانے میں گجرات پر ظفر خان حکمران تھا ۔ وہ بڑا متدین اور فرشتہ خصلت انسان تھا ۔ اس نے شیخ احمد کی گجرات میں آمد کو نعمت عظمیٰ تصور کیا[50]۔ جس زمانے میں حضرت دہلی میں مقیم تھے ، ظفر خان بھی وہیں تھا اور انھیں مسجد خان جہاں میں ملنے آیا کرتا تھا[51]۔ تغلق خاندان کے دور زوال میں اس نے گجرات میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر کے ظفر شاہ کا لقب اختیار کیا ۔ فرشتہ اس کے بارے میں لکھتا ہے :

''ظفر خان در عہد سلطان محمد شاہ بحسن سلوک و پرہیزگاری و تقید بہ شرع محمدی و امانت و دیانت شہرت تمام پیدا کردہ[52] ۔''

''سلطان محمد شاہ کے عہد میں ظفر خان حسن سلوک ، پرہیزگاری، پابندیٔ شریعت، امانت اور دیانت کے لیے مشہور تھا ۔''

شیخ صاحب جب گجرات کے دارالحکومت نہر والہ پہنچے تو ظفر خان نے پچاس آدمیوں کا کھانا اُن کی خدمت میں بھیجا اور تاتار خان کو ساتھ لے ان کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اُس نے حضرت سے درخواست کی کہ وہ گجرات میں ہی مستقل طور پر سکونت اختیار کریں ۔ جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت نے اس کی درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے سرکھیج میں سکونت اختیار کر لی[53]۔

شیخ احمد کی سرکھیج میں آمد سے قبل وہاں جو درویش سکونت پذیر تھے انھوں نے وہاں قیام کی مخالفت کی اور انھیں پیغام بھیجے کہ موصوف وہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائیں ۔ تحفۃ المجالس کے اندراجات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ انھوں نے آپ کو چیلنج بھی کیا تھا[54]۔

سرکھیج میں حضرت کی اقامت پینتالیس برس کے لگ بھگ رہی ۔ گجرات کے حکمران ، امراء اور عوام اُن کے بڑے معتقد تھے ۔ ان کی

خانقاہ کا دروازہ ہر غریب اور مسافر کے لیے کھلا رہتا تھا ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ ان کا لنگر بہت وسیع تھا[55]۔ محمود بن سعد بن صدر ایرجی لکھتے ہیں کہ سرکھیج میں قیام کے دوران میں حضرت کی خانقاہ کا خرچ سوا لاکھ ٹنکے سالانہ تک پہنچ گیا تھا[56]۔

شیخ احمد نے سرکھیج میں ایک خوب صورت مسجد اور ایک وسیع تالاب بنوایا اور اس کے کنارے دہلی کے حوض خاص کی طرز پر کئی عمارتیں بنوائیں ، جہاں آن کے مرید اور مسافر رہتے تھے ۔ سلطان گجرات نے ان عمارتوں کی تعمیر کے وقت ان کی مالی امداد کرنا چاہی تو انھوں نے اسے قبول کرنے سے معذرت چاہی[57]۔ اسلامی فن تعمیرات کے ماہر ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی ان عمارتوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مغربی ہندوستان میں اس سے بہتر اسلامی سنگی فن تعمیر کے نمونے اور کہیں نہیں ملتے[58]۔ راقم الحروف جب ۱۹۶۹ء میں دوسری بار احمد آباد گیا تو ڈاکٹر عبدالحمید فاروق ، صدر شعبۂ فارسی، گجرات کالج ، احمد آباد کے شوق دلانے پر سرکھیج گیا اور ان عمارات کو دیکھا ۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود سرکھیج کے روحانی ماحول میں کسی طرح کا تغیر و تبدل نہیں ہوا ۔

گجرات کے سلاطین شیخ احمد کے بڑے معتقد تھے ۔ مظفر شاہ (ظفر خان) نے ہی ان سے گجرات میں مستقل سکونت اختیار کرنے کی درخواست کی تھی جسے انھوں نے شرف قبولیت بخشا۔ مظفر شاہ کا جانشین سلطان احمد بھی بعد میں ان کا مرید ہوگیا تھا[59]۔

جامع ملفوظات رقم طراز ہیں کہ نظام الملک شیخ احمد کا معتقد تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا ''اگر تقویٰ را در جہان صورت می بود بصورت شیخ می بود[60]۔'' اس نے سلطان احمد کے سامنے کئی بار ان کی کرامات بیان کیں ۔ سلطان احمد نے اس سے کہا کہ جن یا سحر کے ذریعے بھی ایسا ہو سکتا ہے ۔ نظام الملک نے سلطان کو مزید اطمینان دلانے کے لیے کہا کہ وہ دل کی بات جان لیتے ہیں ۔ سلطان نے کہا کہ جن کا دل میں گزر نہیں ہوتا ۔ دلوں کا حال خدا جانتا ہے یا جن بزرگوں کو وہ الہام

کرتا ہے ، وہ جان سکتے ہیں ۔ نظام الملک نے جب یہ ماجرا شیخ احمد کھٹو سے بیان کیا تو انھوں نے اس سے دریافت فرمایا کہ اس نے سلطان سے ایسا کیوں کہا ہے ؟ اس نے کہا کہ وہ چاہتا ہے کہ سلطان کسی بہانے ان کی زیارت سے مشرف ہو سکے ۔

نظام الملک نے سلطان احمد کو حضرت کی زیارت کے لیے تیار کر لیا اور اس سے کہا کہ وہ کوئی بات اپنے دل میں رکھے اور اس کے ساتھ حضرت سے ملنے چلے ۔ سلطان نے کہا کہ وہ اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہے اور لطف تو جب ہے کہ شیخ عندالملاقات اسے بادشاہ کہہ کر مخاطب کریں ، گرم گرم کھچڑی کھلائیں اور زر سرخ کا ایک ٹکڑا اسے عنایت کریں اور شاہی خزانہ میں برکت کے لیے دعا فرمائیں۔ نظام الملک نے جی میں گرم حلوہ کھانے کی ٹھانی اور سلطان احمد کو ساتھ لے کر نصف شب کے وقت حضرت سے ملنے گیا ۔ جب انہیں ان کے آنے کی اطلاع ملی تو موصوف بالائی منزل سے نیچے اترے اور السلام علیک یا سلطان کہتے ہوئے سلطان احمد کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے کمرے میں لے گئے ۔ بعد ازاں انھوں نے نظام الملک کو بھی وہیں بلا لیا ۔ حضرت نے حلوہ اور کھچڑی تیار کرنے کا حکم دیا ۔ جب کھچڑی پک کر آئی تو انھوں نے سلطان سے تناول کرنے کو کہا تو اس نے کہا کہ وہ ان کا پس خوردہ کھائے گا ۔ حضرت نے ایک لقمہ اٹھا کر منہ میں ڈالا اور رکابی سلطان کی طرف بڑھا دی ۔ ایک خادم بھیج کر شیخ نے حلوہ منگوایا اور اسے نظام الملک کے سامنے رکھا ۔

جب دونوں زائر کھانے سے فارغ ہوئے تو شیخ نے رومال سے پچیس اشرفیاں نکال کر سلطان کو دیتے ہوئے فرمایا کہ انھیں اپنے خزانے میں رکھ لے ، ان سے برکت ہوگی ۔ سلطان ان کے ساتھ بڑی تواضع سے پیش آیا اور جانے کی اجازت چاہی ۔ واپسی پر سلطان نے نظام الملک سے کہا کہ اگر وہ شیخ سے نہ ملتا تو سعادت ابدی سے محروم رہتا ۔ اس نے کہا کہ اس نے ایک ہی نشست میں ان کی اتنی کرامات دیکھ لی ہیں جو عمر بھر کے لیے کافی ہیں[61]۔

ایک بار سلطان دوبارہ ان سے ملنے آیا ، تو آپ نے اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول کیا اور چلتے وقت اسے ایک اسپ تازی مرحمت کیا۔ جامع ملفوظات رقم‌طراز ہیں کہ چانپانیر کے مقدم گنگا داس نے سلطان احمد کی خدمت میں آم بھیجے ۔ سلطان نے ان میں سے پانچ آم رومال میں باندھ کر شیخ احمد کی خدمت میں بھیجے اور اس کے ساتھ ہی انھیں یہ پیام بھیجا کہ پہلے شیخ آم کھائیں گے ، بعد میں وہ کھائے گا ۔ شیخ نے قاصد سے رومال لے کر آنکھوں سے لگایا اور سلطان کے لیے دعا کی ۔ انھوں نے قاصد سے کہا کہ جو کچھ اس نے دیکھا ہے وہ جا کر نیک بخت سلطان کو بتا دے[62]۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ شیخ موصوف نے سلطان احمد کو فتوحات کی بشارت دی تھی[63]۔

عبداللہ خویشگی رقم طراز ہے کہ شیخ موصوف کے توسط سے سلطان احمد حضرت خضر سے ملا اور ان کے مشورے پر سابرمتی ندی کے کنارے احمد آباد کی تعمیر کا منصوبہ بنایا ۔ سلطان احمد نے حضرت خضر کے فرمان کے مطابق ایسے اشخاص کے ہاتھوں شہر کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ کیا جنھوں نے کبھی عصر کی سنتیں قضا نہیں کی تھیں ۔ احمد آباد کی بنیاد احمد نام کے چار اصحاب یعنی سلطان احمد ، شیخ احمد ، قاضی احمد اور ملک احمد نے مل کر رکھی ۔ شیخ احمد نے اپنے ہاتھ میں رسی لے کر شہر کی حدود متعین کیں اور ۷ ذی قعدہ ۸۱۳ھ (۱۴۱۱ء) کو احمد آباد کی تعمیر شروع ہوئی[64]۔

ایک روائت کے مطابق دن کو جس قدر شہر کی فصیل بنتی وہ رات کے وقت گر جاتی ۔ تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ وہاں مانک ناتھ نامی ایک جوگی رہتا ہے ، یہ سب اس کے استدراج سے ہوتا ہے ۔ جب اس سے باز پرس ہوئی تو اس نے کہا کہ جب تک شہر کی بنیاد رکھنے والوں میں اس کا نام شامل نہیں کیا جاتا وہ شہر پناہ مکمل نہیں ہونے دے گا ۔ سلطان احمد اس کی بات ماننے کو تیار نہ تھا لیکن شیخ احمد شہر کے ایک اہم چوک کو اس کے نام منسوب کرنے پر رضامند ہوگئے[65] راقم الحروف دوبار احمد آباد جا چکا ہے اور شہر کا سب سے مصروف چوک ، جہاں زیادہ تو صرافوں کی دکانیں ہیں ، مانک چوک کہلاتا ہے ۔

سلطان احمد کا جانشین سلطان محمد شاہ بھی ان کا بڑا معتقد تھا[66]۔ وہ شیخ کے وقت نزع ان کے پاس موجود تھا ۔ اس نے شیخ سے کہا کہ اسے ان ہی کے طفیل سلطنت ملی ہے ۔ اس کی ان سے یہ التجا ہے کہ اسے جنت میں بھی اپنے ساتھ ہی رکھیں ۔ حضرت کی قوت گویائی اس وقت جواب دے چکی تھی ، اس لیے انھوں نے اپنی دو انگلیاں اپنی آنکھوں پر رکھ لیں ۔ اس سے حاضرین نے یہ مطلب اخذ کیا کہ حضرت نے اشارتاً فرمایا کہ بسر و چشم[67]۔ محمود بن سعد بن صدر ایرجی رقم طراز ہیں کہ جس وقت شیخ موصوف کے جسد مبارک کو غسل دیا گیا ، تو سلطان محمد شاہ اس وقت بھی وہاں موجود تھا[68]۔

شیخ احمد کھٹو نے سلطان محمد شاہ کے عہد میں ۱۴ شوال ۸۴۹ھ بمطابق ۱۳ جنوری ۱۴۴۶ء کو جمعرات کے دن زوال سے قبل ۱۱۱ سال کی عمر میں وفات پائی ۔ محمود بن سعد بن صدر ایر جی اور مولانا محمد قاسم نے ان کے جسد مبارک کو غسل دیا ۔ مبارک اور عبدالحئی پانی ڈالنے پر مامور تھے ۔ شیخ موصوف نے اپنی وفات سے قبل محمد قاسم کو نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کی تھی کیونکہ ان کی زندگی میں وہی امامت کیا کرتے تھے[49] ۔ عبداللہ خویشگی رقمطراز ہے کہ ''مخدوم اولیاء'' سے ان کی تاریخ ولادت ، ''قطب'' سے مدت عمر اور ''مخدوم قطب اولیاء'' سے سال وفات برآمد ہوتا ہے[70] ۔

شیخ احمد نے اپنی وفات سے قبل شیخ صلاح الدین کو اپنا جانشین مقرر کیا ۔ شیخ صلاح الدین کا والد توکا جی ہندو تھا ، اسے شیخ احمد نے مسلمان کرکے اس کا نام شیخ طالب رکھا ۔ صلاح الدین کی ولادت کے تین دن بعد اس کی والدہ فوت ہوگئی اور اس کے چند روز بعد والد بھی راہی ملک بقا ہوئے ۔ شیخ احمد نے مثل اپنے فرزند کے ان کی پرورش کی ۔ جس طرح بابا اسحاق مغربی انھیں اپنے پیٹ پر سلایا کرتے تھے بعینہ موصوف اسے اپنے پیٹ پر سلاتے[71] ۔ شیخ احمد نے اپنی رحلت سے قبل سلطان محمد شاہ اور قاضی عبدالحئی کی موجودگی میں اسے اپنا جانشین مقرر کیا ۔ شیخ صلاح الدین اپنے مرشد کے قدموں میں دفن ہیں اور ۲۲ ربیع الاول کو ان کا عرس ہوتا ہے[72]۔

شیخ احمد کھٹو اپنے تعمیر کردہ تالاب اور مسجد کے قریب دفن ہوئے ۔ سلطان محمد شاہ نے ان کی قبر پر ایک شاندار مقبرہ بنوانا شروع کیا جو اس کے جانشین سلطان قطب‌الدین احمد کے عہد میں پایۂ تکمیل کو پہنچا[73] ۔ جہانگیر نے اپنے بارھویں سال جلوس میں گجرات کے سفر میں ان کے مزار پر حاضری دی ۔ وہ ان کے مزار کے بارے میں لکھتا ہے ۔ ''مقبرہ شیخ بغایت عمارت عالی و جای نفیس است ۔'' جہانگیر لکھتا ہے کہ گجرات کا نامور حاکم سلطان محمود بیگڑہ ، اس کا بیٹا مظفر اور مؤخرالذکر کا نبیرہ محمود شہید بھی وہیں محو خواب ابدی ہیں[74] ۔

شیخ احمد کھٹو کے ملفوظات ان کے ایک مرید سید محمود بن سعد بن صدر ایر جی نے جمع کیے ہیں ۔ وہ ایرج کے رہنے والے تھے اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حج کے ارادے سے ایرج سے نکلے تھے ۔ احمد آباد پہنچ کر انھوں نے محلہ بھنڈیری پورہ میں قیام کیا اور اگلے روز شیخ احمد سے ملنے گئے ۔ ادھر یہ اپنی قیام گاہ سے شیخ موصوف کی زیارت کے ارادے سے نکلے ، اُدھر شیخ نے اپنا ایک خادم انھیں بلانے بھیجا ۔ راستے میں دونوں کی ملاقات ہوئی اور خادم انھیں لےکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ یہیں سے دونوں کے تعلقات قائم ہوگئے ۔

شیخ احمد اپنے مرشد بابا اسحاق مغربی کی طرح تمام عمر زن و فرزند کے جھمیلوں سے آزاد رہے ۔ انھوں نے ایک روز محمود سے کہا کہ جس طرح بابا اسحاق نے انھیں اپنا بیٹا بنایا تھا ویسے ہی موصوف اسے اپنا بیٹا بناتے ہیں ۔ محمود کو فرزندی میں قبول کرنے کے بعد شیخ احمد نے ان اہلیہ کو بھی ایرج سے بلا کر اپنی بیٹی بنا لیا ۔ انھوں نے محلہ بھنڈیری پورہ میں ہی مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی ۔ ان کا مزار بھی وہیں ہے جہاں ہر سال دس رجب کو ان کا عرس ہوتا ہے[75] ۔

شیخ احمد ان کا بڑا پاس کرتے تھے ۔ ایک بار ان کی سفارش پر امیر بایزید محمد بہادیری کو کلاہ عنایت کی[76] ۔ جب انھوں نے شیخ موصوف کے ملفوظات جمع کرنے کی اجازت مانگی تو انھوں نے بخوشی دے دی[77] ۔ تحفۃ المجالس کا فارسی متن ہنوز طبع نہیں ہوا ۔ اس کا قلمی نسخہ انڈیا

آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہے - ابو ظفر ندوی مرحوم نے اس کا اردو ترجمہ ۱۹۳۹ء میں اعظم گڑھ سے شائع کیا تھا ، جو اب نایاب ہے -

ان کے ملفوظات کا ایک اور مجموعہ —ملفوظات شیخ احمد مغربی— کے عنوان سے ان کے ایک مرید محمد بن ابی القاسم نے مرتب کیا تھا - اس کا قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانے میں محفوظ ہے[78]- پروفیسر خلیق احمد نظامی نے راقم الحروف کو بتایا کہ اس میں ایسی کوئی بات نہیں جو تحفہ" المجالس میں موجود نہ ہو -

تحفہ" المجالس میں اس دور کے کئی ایسے سیاسی واقعات بھی آگئے ہیں ، جن کا ذکر تاریخوں میں نہ ہونے کے برابر ہے - محمود بن سعد بن صدر ایرجی لکھتے ہیں کہ ملک ابوالمعالی مانڈو کا محاصرہ کیے پڑا تھا کہ کسی نے افواہ اڑا دی کہ وہ مارا گیا ہے - اس کے پریشان حال لواحقین شیخ احمد کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے اپنے کشف کی بنیاد پر فرمایا کہ وہ فکر مند نہ ہوں ۔ ملک مذکور زندہ ہے اور اس وقت بیٹھا ہوا ہے - اس کے لواحقین خوشی خوشی اپنے گھر لوٹے اور اس واقعہ کے چند روز بعد اس کا خیریت نامہ گھر والوں کو مل گیا -

جامع ملفوظات رقمطراز ہیں کہ ہندو اور مسلمان بکثرت حضرت کی زیارت کو آتے تھے - اگر کوئی ہندو مسلمانوں جیسا لباس زیب تن کیے ہوتا ، تو حضرت فوراً اسے پہچان لیتے - ایک بار اس کے استفسار پر انھوں نے فرمایا ، ’’بوی مسلمان و بوی کافر پوشیدہ نیست[79]-‘‘

برصغیر میں اردو زبان کے نشو و نما کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ قرون وسطیٰ میں برصغیر میں اگر کوئی ایسی جگہ تھی جہاں ہندوستانی سماج کے ہر طبقے اور فرقے اور سب مذاہب کے لوگ بلا روک ٹوک جمع ہو سکتے تھے تو وہ صوفیہ کی خانقاہیں تھیں - ایسی صورت میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اردو زبان کے نشو و نما میں صوفیہ کا حصہ سب سے زیادہ اور سب سے اہم ہے[80]-

جامع ملفوظات رقمطراز ہیں کہ شیخ احمد کھٹو گوجری زبان سے بخوبی واقف تھے - ان کے ملفوظات میں متعدد ہندی دوہڑے موجود ہیں -

صوفیائے کرام نے برصغیر میں تبلیغ اسلام کی خاطر یہاں کی زبانیں سیکھنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی ۔ انھوں نے مقامی زبانیں سیکھ کر انھیں اپنے اظہار خیال کا ذریعہ بنایا تھا ۔ خواجہ معین الدین چشتی نے اجمیر جانے سے قبل کئی سال تک ملتان میں قیام کرکے ہندوستانی زبان سیکھی تھی[81] ۔ سید محمد الحسنی المعروف بہ بندہ نواز گیسو درازؒ سنسکرت زبان سے کماحقہ واقف تھے[82] ۔ ہمارے اکابر نے زبان کو کبھی اختلافی مسئلہ نہیں بنایا اور اسے ذریعہ اظہار خیال سے زیادہ اہمیت نہیں دی ۔

شیخ احمد کھٹو کے ملفوظات میں ڈونہ ، بہل ، کنبل (کمبل) کچھڑی ، چمچہ ، سپاری اور کاتھہ (کھتہ) جیسے مقامی الفاظ ملتے ہیں ۔ جنھیں وہ فارسی میں گفتگو کرتے ہوئے بلاتکلف بولتے تھے ۔ ملفوظات میں ایک جگہ بضد کو بجد بھی لکھا ہے[83] ۔

تحفۃ المجالس کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوا کہ شیخ احمد کھٹو علم نجوم سے بخوبی واقف تھے اور جب محمود بن سعد بن صدر ایرجی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو حضرت نے اس کا طالع دیکھ کر اس کا نام تجویز کیا تھا[84] ۔

سلطان فیروز تغلق کے زمانے میں دہلی میں علم نجوم کے کئی نامی گرامی ماہرین ہو گزرے ہیں ۔ سلطان فیروز تغلق نے جب کانگڑہ فتح کیا تو وہاں سے سنسکرت کی تقریباً تیرہ صد کتابیں اس کے ہاتھ لگیں ۔ سلطان نے ان میں سے علم نجوم پر چند کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کروایا[85] ، جس سے مسلمانوں میں ہندوؤں کا یہ فن متعارف ہوا ۔ حضرت گیسو دراز کی اہلیہ کے نانا مولانا جمال الدین علم نجوم میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور وہ اکثر پیش گوئیاں کرتے رہتے تھے[86]۔ شیخ احمد کھٹو نے بھی غالباً دہلی میں قیام کے دوران میں ہی یہ فن سیکھا تھا ۔

جامع ملفوظات رقمطراز ہیں کہ شیخ احمد فارسی نظم سے واقف تھے[87] ۔ ان کے ملفوظات میں ہندی دوہڑے موجود ہیں ۔ محمود بن سعد ایرجی نے اُن کے اپنے اشعار ملفوظات میں قلمبند نہیں کیے ، البتہ

محمد بن ابی القاسم نے ''ملفوظات شیخ احمد مغربی'' کے عنوان سے آن کے جو ملفوظات مرتب کیے ہیں ان میں ان کا کلام درج ہے۔

شیخ احمد کھٹو سماع سن لیتے تھے۔ ایک بار برسات کے موسم میں قوالوں نے انھیں ملہار سنایا۔ جامع ملفوظات رقمطراز ہیں کہ اس موقع پر کمال الدین نے نی بجائی اور تاجن نے سرمنڈل بجایا۔ ساز اور راگ سن کر حضرت پر رقت طاری ہوگئی[88]۔ عبداللہ خویشگی لکھتا ہے کہ شیخ احمد موسیقی سے واقف تھے اور انھوں نے لحن داؤدی پایا تھا[89]۔

مشایخ نقشبندیہ کے علاوہ ہمارے بزرگوں نے موسیقی کو کبھی شجر ممنوعہ نہیں سمجھا۔ قرون وسطی میں موسیقی کو شاہی درباروں کے علاوہ صوفیائے کرام کی خانقھوں ہی میں بار ملتا تھا۔ چشتیہ، قادریہ اور شطاریہ سلسلوں کے عروج کے ساتھ موسیقی کو بھی فروغ ملا۔ امیر خسرو نے حضرت نظام الدین اولیاء کے جماعت خانے میں ہی موسیقی کی نوک پلک درست کی تھی۔ شاہ پیر میرٹھی شطاری کو مغل دور کے مؤرخین—سبب رونق ارباب غنا—لکھتے تھے[90]۔ میاں تان سین جیسے عظیم فنکار نے شیخ محمد غوث گوالیری کی خانقاہ میں پرورش پائی۔ شاہجہان کے عہد میں صوفی بہاء الدین، شیخ نصیر الدین، شیخ شیر محمد، کبیر اور میر صالح جیسے قوالوں کے دم قدم سے کئی خانقھوں کی رونق قائم تھی۔ سید نظام الدین مدھ نائک جیسا موسیقار، جس کا راگ سن کر بقول میر غلام علی آزاد بلگرامی انسان تو انسان جانور بھی اپنے ہوش کھو بیٹھتے تھے، ایک بہت بڑے دینی اور روحانی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا[91]۔ اس لیے اگر عبداللہ خویشگی نے شیخ احمد کو صاحب لحن داؤدی لکھ دیا ہے تو اس سے آن کی عزت نہیں گھٹتی۔

1۔ (i) ابوالفضل آئین اکبری، مطبوعہ نولکشور ۱۸۶۹ء، ج ۳، ص ۲۸۵۔

(ii) محمد غوثی منڈوی، گلزار ابرار (اردو) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء، ص ۱۴۳۔

2. Commissariat, M.S; A History of Gujarat, Madras; 1938, Vol, I, p. 131,

3 - (i) ابوالفضل ، آئین اکبری ، ج ۳ ، ص ۲۸۵ -
(ii) محمد غوثی منڈوی ، گلزار ابرار ، ص ۱۴۳ -
4 - (i) جہانگیر ، تزک جہانگیری ، سرسید ایڈیشن ، علی گڑھ ۱۸۶۴ء ، ص ۲۱۲ -
(ii) محمد اسحاق بھٹی ، فقہائے ہند ، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ، ج ۲ ، ص ۱۰۳ -
(iii) حاجی دبیر ، ظفر الوالہ بمظفر و آلہ ، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۱۰ء ص ۱-۲ -
5 - عبداللہ خویشگی ، معارج الولایت ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، H 25 ، ورق ۵۳۰ الف -
6 - محمد غوثی منڈوی ، گلزار ابرار ، ص ۱۴۳ -
7 - محمد اسحاق بھٹی ، فقہائے ہند ، ج ۲ ، ص ۱۰۳ -
8 - (i) محمد غوثی منڈوی ، گلزار ابرار ، ص ۱۴۴ -
(ii) عبداللہ خویشگی - معارج الولایت ، ورق ۵۳۱ الف -
9 - Commissariat, A History of Gujarat, Vol I, p. 131.
10 - تحفۃالمجالس ، مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری لندن ، دہلی کلکشن نمبر ۹۷۷ ، ورق ۶۳ الف -
11 - ایضاً ، ورق ۶۳ ب -
12 - ایضاً ، ورق ۵۷ الف -
13 - ایضاً ، ورق ۴ الف -
14 - ایضاً ، ورق ۴ ب -
15 - ایضاً ، ورق ۵ الف -
16 - ایضاً -
17 - عبداللہ خویشگی ، معارج الولایت ، ورق ۵۳۱ الف -
18 - تحفۃ المجالس ، ورق ۶۲ الف -
19 - ایضاً ، ورق ۶۳ الف -
20 - ایضاً ، ورق ۱۲ الف ، ب -
21 - عبداللہ خویشگی ، معارج الولایت ، ورق ۵۳۱ ب -
22 - تحفۃ المجالس، ورق ۱۴ ب—جامع ملفوظات نے ڈیڈوانہ کی بجائے گونڈوانہ لکھا ہے - جو درست نہیں - ڈیڈوانہ کھاٹو سے ۴۰ کلو میٹر کے فاصلے پر راجستھان کا مشہور قصبہ ہے -

23 - ایضاً -
24 - ایضاً ، ورق ۱۵ الف -
25 - عبداللہ خویشگی ، معارج الولایت ، ورق ۵۳۱ ب -
26 - تحفۃ المجالس ، ورق ۱۵ الف — بعض کتابوں میں پہلا مصرع "بنام جہان دار جان آفرین" مرقوم ہے ، لیکن میں نے یہاں تحفۃ المجالس کا تتبع کیا ہے -
27 - محمد اسحاق بھٹی ، فقہائے ہند ، ج ۲ ، ص ۱۰۴ -
28 - عبداللہ چغتائی ، سہ ماہی اردو کراچی ، جنوری ۱۹۶۸ ، ص ۱۴۴ -
29 - تحفۃ المجالس ، ورق ۳۵ الف -
30 - علی محمد خان ، مرأت احمدی ، مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۶ھ ، ص ۲۲ -
31 - اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ حادثہ باب المندب کے قریب پیش آیا ہوگا ، کیونکہ وہاں سطح آب کے نیچے ایسی چٹانیں بکثرت موجود ہیں جو جہاز رانوں کو نظر نہیں آتیں اور پرانے زمانے میں جہاز ان سے ٹکرا کر غرق ہو جاتے تھے -
32 - تحفۃ المجالس ، ورق ۱۰ ب -
33 - ایضاً ، ورق ۱۸ ب -
34 - عبداللہ خویشگی ، معارج الولایت ، ورق ۵۳۶ ب -
35 - تحفۃ المجالس ، ورق ۲ ب — چو بملازمت ایشان نرسیدی رفتن دہلی ضایع بود -
36 - ایضاً ، ورق ۲ الف -
37 - ایضاً ، ورق ۳ ب -
38 - ایضاً ، ورق ۴ الف — دونہ گل -
39 - ایضاً -
40 - مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں کہ شیخ احمد نے سلطان فیروز تغلق کو پندرہ روز پہلے بتا دیا تھا کہ تیمور دہلی پر حملہ کرنے والا ہے - اس لیے سلطان فیروز شاہ دہلی سے جونپور چلا گیا - یاللعجب - امیر تیمور نے ۱۳۹۸ء میں دہلی پر حملہ کیا اور اس واقعہ سے دس سال قبل ۱۳۸۸ء میں سلطان مذکور فوت ہو چکا تھا - ملاحظہ ہو ، فقہائے ہند ، ج ۲ ، ص ۱۰۶ -
41 - یہاں یہ بات یاد رہے کہ بابا اسحاق مغربی نے ان سے کہا تھا کہ ہر روز چالیس آدمی ان کے دسترخوان پر کھانا کھایا کریں گے - اگر ایسا نہ ہو تو بے شک ان کی ہڈیاں قبر سے اکھاڑ پھینکنا -

42 - تحفة المجالس ، ورق ٦ ب -

43 - Commissariat, M.S; A History of Gujarat, Vol. I, P 131.

44 - عبدالقادر بدایونی ، منتخب التواریخ ، مطبوعہ کلکتہ ١٨٦٨ء ، ج I ، ص ٢٢٠ -

45 - ہمارے زمانے میں جب پاکستانی طلبہ انگلستان جاتے تو سب سے پہلے انھیں اس طرح سوپ پینے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہم اسے انگریزی تہذیب کا کمال سمجھتے تھے - ہمارے اکابر صدیوں پہلے اس طرح کے آداب سے واقف تھے -

46 - تحفة المجالس ، ورق ٨ ب -

47 - ایضاً ، ورق ٩ الف -

48 - ایضاً ، ورق ٤٧ ب -

49 - محمد اسحاق بھٹی ، فقہائے ہند ، ج ٢ ، ص ١٠٦ -

50 - عبداللہ خویشگی ، معارج الولایت ، ورق ٥٣٦ ب -

51 - تحفة المجالس ، ورق ١٩ ب -

52 - فرشتہ ، تاریخ فرشتہ ، مطبوعہ بمبئی ، ١٨٣٢ء ، ج ٢ ، ص ٣٥١ -

53 - تحفة المجالس ، ورق ١٩ ب -

54 - ایضاً ، ورق ٥٥ ب -

55 - شیخ عبدالحق محدث ، اخبار الاخیار ، مطبوعہ دہلی ١٣٣٢ھ ، ص ١٥٧ -

56 - تحفة المجالس ، ورق ١٩ ب -

57 - ایضاً ، ورق ٥٢ الف -

58 - عبداللہ چغتائی ، سہ ماہی اردو کراچی ، جنوری ١٩٦٨ء ، ص ١٤٣ -

59 - عبداللہ خویشگی ، معارج الولایت ، ورق ٥٣٧ الف -

60 - تحفة المجالس ، ورق ٣١ ب -

61 - ایضاً ، ورق ١٣ ب ، ١٤ الف -

62 - ایضاً ، ورق ٦٤ الف -

63 - فرشتہ ، تاریخ فرشتہ ، ج ٢ ، ص ٣٦٧ -

64 - عبداللہ خویشگی ، معارج الولایت ، ورق ٥٣٧ ب -

65 - تحفة المجالس ، ورق ٥٢ الف -

66 - ایضاً ، ورق ٧٠ ب -

67 - ایضاً ، ورق ٧١ ب -

68 - ایضاً ، ورق ٧٢ ب -

69 - ایضاً -
70 - عبداللہ خویشگی ، معارج الولایت ، ورق ۵۳۸ الف -
71 - علی محمد خان ، مرأت احمدی ، ص ۲۴ -
72 - ایضاً -
73 - Commissariat, M.S; History of Gujarat, Vol I, p. 133.
74 - جہانگیر ، تزک جہانگیری ، ص ۲۱۲ -
75 - علی محمد خان ، مرأت احمدی ، ص ۲۲ -
76 - تحفة المجالس ، ورق ۲۰ ب -
77 - ایضاً ، ورق ۲ الف -
78 - Ivanaw, W; Catalogue of the Persian Manuscripts in Asiatic Society of Bengal, Calcutta : 1924, MSS : 247.
79 - تحفة المجالس ، ورق ٦٥ الف -
80 - خلیق احمد نظامی ، 'ملفوظات کی تاریخی اہمیت' مشمولہ نذر عرشی ، مطبوعہ دہلی ۱۹٦۵ء ص ۴۴۴ -
81 - محمد اکرام ، آب کوثر ، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء ، ص ۲۲۵ -
82 - محمد اکبر حسینی ، جوامع الکلم ، مطبوعہ کانپور ۱۳۵٦ھ ، ص ۱۱۹ -
83 - تحفة المجالس ، ورق ۱۹ب -
84 - ایضاً ، ورق ۳۴ ب - در علم نجوم دست تمام دارند -
85 - خلیق احمد نظامی ، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۸ء ، ص ۳۹۹ -
86 - محمد اکبر حسینی ، جوامع الکلم ، ص ۲۱ -
87 - تحفة المجالس ، ورق ٦۴ ب -
88 - ایضاً ، ورق ۲۸ الف -
89 - عبداللہ خویشگی ، معارج الولایت ، ورق ۵۳۱ ب — در علم موسیقی نیز الحان داؤدی داشت -
90 - محمد صادق ، طبقات شاہجہانی ، مخطوطہ برٹش میوزیم لندن، اورئنٹل ۱٦۷۳، ورق ۳۱۲ ب -
91 - میر غلام علی آزاد ، سرو آزاد ، مطبوعہ لاہور ۱۹۱۳ء ، ص ۳۵۷ -

مصنف کی دوسری تصانیف

تاریخی مقالات

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ

شاہ فتح اللہ شیرازی

سُرور الصُّدور

لطائفِ قدوسی

دینِ الٰہی اور اُس کا پس منظر

MUSLIM CONDUCT OF STAT